امام اہلِ سنت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر المؤمنین خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ

(فضائل ومناقب، سیرت وکردار)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أبِیْ وَقَّاصٍ (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ علیْهِ وَ سَلَّمَ لِعَلِیٍّ أَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزَلَةِ هارُوْن مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا أَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

(البخاری، جلد ا، ص ۵۲۶۔ مسلم، جلد ۲، ۲۷۸۔ رواہ احمد وابوبکر المُطیر ی فی جزئہٖ، جلد ۶، ص ۱۵۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں ماموں، فرشتوں کے سلام کے مورد، حضرت سعد ابنِ ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوۂ تبوک کے لیے جاتے وقت) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ (مدینہ میں میرے نائب ہونے میں) تم مجھ سے وہ نسبت رکھتے ہو جو ہارون (علیہ السلام) کو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ تھی! مگر (فرق یہ ہے کہ ہارون نبی تھے لیکن) یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھنے والا منافق ہے:

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ (رضی اللّٰهُ عَنْهَا) قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَ لَا یُبْغِضُهٗ مُؤْمِنٌ. (ترمذی، ص ۶۹۱۔ مشکوٰۃ، ص ۵۶۴)

اُمّ المؤمنین، اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی منافق علی سے محبت نہیں رکھے گا اور کوئی مؤمن اس سے بغض نہیں رکھے گا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت:

خلیفۂ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد اُن چھے اصحاب کا درجہ ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے منشا اور فیصلہ وحکم کے مطابق جنت کی بشارت دی۔ جن کو ”عشرہ مبشرہ“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ) أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ أبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَ عَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَ الزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ و

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِی وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَ سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَ أَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ. (ترمذی، ص: ۵۳۷۔ وعن سعید بن زید مشکوٰۃ شریف، ص: ۸۶۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بلا شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر جنت میں ہوں گے اور عمر جنت میں ہوں اور عثمان جنت میں ہوں گے اور علی جنت میں ہوں گے اور طلحہ جنت میں ہوں گے اور زبیر جنت میں ہوں گے اور عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہوں گے اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہوں گے اور سعید ابن زید جنت میں ہوں گے اور ابوعبیدہ ابن الجراح جنت میں ہوں گے۔

عشرہ مبشرہ کے بعد اصحاب بدر کا رتبہ ہے اور اصحاب بدر کے بعد ۶ھ۔...... میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جن حضرات نے کیکر کے درخت کے سایہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہر حال میں جان و مال کی قربانی اور ’’مظلومِ اعظم‘‘ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کا قصاص لینے کی غرض سے ’’بیعۃُ الرضوان‘‘ کی تھی وہ افضل ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دائمی رضامندی کا اعلان فرمایا۔

(خطابِ جمعہ: جامع مسجد معاویہ ملتان، مطبوعہ: الاحرار، شمارہ: ۲۱، جلد: ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مواخات:

عَنْ اِبْنِ عَمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُما) أٰخَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بَیْنَ أَصْحَابِہٖ فَجَآءَ عَلِیٌّ تَدْمَعُ عَیْنَاہُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أٰخَیْتَ بَیْنَ أَصْحَابِکَ وَ لَمْ تُؤَاْخِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ أَحَدٍ؟ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ أَنْتَ أَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ. (رواہ الترمذی، الصواعق، ص: ۱۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں) اپنے ساتھیوں کے درمیان بھائی چارہ کرادیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اپنے ساتھیوں میں بھائی چارہ کرادیا اور میرے اور کسی شخص کے درمیان نہیں کیا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’میرے بھائیوں میں سے بہتر علی ہیں‘‘

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ خَیْرُ اِخْوَتِیْ عَلِیٌّ وَ خَیْرُ أَعْمَامِیْ حَمْزَةُ رضی اللّٰہ عنھما. (اخرج الدیلمی، الصواعق، ص: ۱۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بھائیوں میں سے

بہتر علی ہے اور میرے چچوں میں سے بہتر حمزہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

(صلوٰۃ الرسول، ص: ۵۹۔ ۶۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خاندان میں ددھیال اور ننھیال کی طرف سے خالص ہاشمی تھے:

علامہ مُصعب زُبیری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاندانی شرافت ونجابت بتانے کے لیے اُن کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا جناب ہاشم ابن عبدِ مناف کی بڑی بیٹی، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی دادی محترمہ شِفا بنت ہاشم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور محترمہ شفا بنت ہاشم ابن عبدالمطلب (عبدالمطلب کے چچازاد بھائی) ہاشم ابن مُطّلِب کے نکاح میں تھیں تو اُن کے لیے عبدِ یزید ابنِ ہاشم کو جنم دیا۔ چنانچہ شِفا کے بیٹے عبدِ یزید“ کو (ددھیال اور ننہال دونوں طرف سے ہاشمی ہونے کی بناپر) ”محض“ (خالص ہاشمی) کہا جاتا ہے۔

علامہ مصعب زبیری نے کہا ہے کہ ”محض“ (خالص خاندانی) ایک چچا کے بیٹے اور دوسرے چچا کی بیٹی سے پیدا ہونے والا شخص ہوتا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابنِ ابی طالب بھی محض (خالص ہاشمی) ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تحقیقی طور پر وہ قریش میں پہلا بچہ ہیں جو (ابوطالب ہاشمی اور فاطمہ بنت اسد ہاشمیہ) دو ہاشمیوں میں سے پیدا ہوئے۔

(خطاب: بہ موقع یومِ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما، احاطۂ معاویہ ملتان، ۲۷؍فروری ۱۹۸۷ء۔ مطبوعہ: الاحرار، شمارہ: ۹/۱۰، جلد: ۲۰)

والدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مختصر سوانحی خاکہ:

فاطمہ بنت اسد کے مختصر سوانحی خاکہ کے متعلق علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) کی تصریحات کے بعد امام اسماء الرجال، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ۔ ۱۴۴۸ء) اپنی معروف اور مستند اور متداوِل کتاب ”الِاصابہ“ میں موصوفہ محترمہ کے مذکورہ حالات کی بعض الفاظ اور بعض روایات میں جزئی تغیر وخذف اور بعض معلومات کے مختصر اور مفید اضافہ کے ساتھ تائید وتصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف ہاشمیہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے (تین بڑے) بھائیوں کی والدہ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد ہجرت سے پہلے (مکہ مکرمہ میں ہی) وفات پا گئی تھیں۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ”فاطمہ والدۂ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اور مدینۂ منورہ میں فوت ہوئیں۔“ اور اسی قول پر امام شعبی نے یقین و اعتماد کیا ہے اور کہا کہ فاطمہ بنت اسد (مکہ میں) اسلام لائیں اور انہوں نے ہجرت کی اور مدینۂ منورہ میں فوت ہوئیں۔“

ابنِ ابی عاصم نے عبداللہ ابنِ محمد ابنِ عمر ابنِ علی ابنِ ابی طالب کے طریق اور واسطہ سے روایت کی ہے کہ

عبداللہ اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہے کہ:

’’ بتحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت اسد والدۂ علی رضی اللہ عنہ کو اپنی قمیص میں کفن دیا اور فرمایا تھا کہ ہمیں چچا ابوطالب کی وفات کے بعد چچی فاطمہ کے سوا خاندان میں میرے ساتھ حسنِ سلوک اور مہربانی کرنے والا کوئی اور فرد نہیں ملا۔‘‘

امام اعمش کوفی نے عمرو ابنِ مُرّہ سے انہوں نے ابوالبَختری سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ:

’’ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ہجرت اور مدینہ میں آکر شادی کے بعد) میں نے اپنی اماں کو کہہ دیا تھا کہ (گھر کی ضرورت سے) فاطمہ کی جگہ آپ پانی بھرنے اور کام کاج کے لیے جانے کی ذمہ دار ہوں گی اور آٹا پیسنے اور گوندھنے پکانے کی غرض سے فاطمہ آپ کی جگہ ذمہ دار ہوگی۔‘‘

اور علامۂ انساب زبیر ابن بکّار نے کہا ہے کہ:

’’ فاطمہ بنت اسد والدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جنہوں نے (چوتھے صحابی) خلیفہ (علی) کو جنم دیا، پھر اُن کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے بھی (پانچویں صحابی) خلیفہ (حسن) کو جنم دیا۔ اور فاطمہ نام کی صحابیہ خواتین کے ضمن میں سیدہ فاطمہ کا مزید ذکر عنقریب سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ بنت حمزہ کے حالات میں آئے گا اور وہ بیان دلالت کرتا ہے کہ والدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں فوت ہوئیں تھیں۔‘‘

اور مشہور سیرت نگار علامہ ابن سعد نے اپنی مشہور کتاب ’’الطبقات الکبریٰ‘‘ میں بیان کیا ہے کہ:

’’ والدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ فاطمہ بنت اسد نیکوکار خاتون تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی اُن کے گھر میں دوپہر کے وقت استراحت بھی کیا کرتے تھے۔‘‘

(الاصابہ، ج ۲، ص ۳۸۰، طبع اوّل، مصر ۱۳۲۸ھ ۱۹۲۰ء)

(خطاب: بہ موقع یومِ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما، احاطۂ معاویہ ملتان، ۲۷ر فروری ۱۹۸۷ء۔ مطبوعہ: الاحرار، شمارہ: ۹/۱۰، جلد: ۲۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب:

ابوطالب جب بیمار تھے آخری لمحات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری تبلیغ و تلقینِ حق کے لیے موجود تھے اور یہ اہم موقع دیکھ کر ابوجہل اور عبداللہ ابنِ اُمیّہ بھی ابوطالب کو کفر پر جمے رہنے کی تلقین کے لیے آئے ہوئے تھے۔ یعنی پوری پارٹی کے نمائندے بھاگے بھاگے آگئے تھے کیونکہ اُن کو رپورٹ ملی کہ ابوطالب کے سوتیلے ہمدرد بھائی عباس موجود ہیں اور علی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ دونوں خاص طور پر سرہانے بیٹھے ہیں۔ بیٹا بھی بیٹھا ہے اور بھتیجا بھی اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے چچا کو اور علی اپنے ابا کو تلقین کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمائش کرتے تھے کہ: ’’چچا! جو کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ میں

کہہ رہا ہوں وہ ایک بار کہہ دو تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے۔ یعنی تمہاری کوئی نماز نہیں، کوئی روزہ نہیں، زندگی کا آخری لمحہ ہے اور اس وقت کلمۂ حق کی ضرورت ہے اس لیے تم کلمہ پڑھ لو۔‘‘

عباس رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کان میں کہا کہ: ’’بھیّا! بھتیجے کی بات سنی ہے؟ کہا: ہاں سنی ہے مگر ڈرتا ہوں یَتَحَدَّثُ فِیَّ نساءُ قریشٍ قریش کی لڑکیاں اور بوڑھیاں طعن دیں گی کہ آخر بھتیجے کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ بس یوں سمجھو کہ تقدیر کے مطابق جبریل نے پر مار دیا۔ قسمت میں نہیں تھا۔ اتنے میں ابوجہل بے اختیار ہو کر بول پڑا کہ: ’اَتَتْرُکُ دِیْنَ اٰبآئِکَ؟‘‘ کیا باپ دادوں کا دین چھوڑ رہے ہو؟ اس دین کو چھوڑ نہ دینا۔ انہوں نے کہا: ’’بالکل نہیں، اِشْھَدُوا اَنّی عَلٰی دِیْنِ عَبْدِالْمُطَّلِب‘‘ تم سب گواہ رہو کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔ یعنی میں نے دینِ محمد اسلام کا اقرار نہیں کیا اور اپنے پرانے عقیدہ پر مر رہا ہوں۔ صحیح بخاری کی راویت ہے اور ابوداؤد اور نسائی میں بھی موجود ہے۔ سنیو! حنفیو! دیوبندیو، بریلو، حق اور سچ بولا کرو۔ اپنی روٹی کو حلال کرو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر مکمل یقین رکھو! ہمیں کوئی ضد نہیں۔ اے کاش! ابوطالب مسلمان ہوتے تو آج ہم کروڑ دفعہ رضی اللہ عنہ کہتے۔ ہمیں تو دکھ ہے، ہمیں تو غم ہے کہ بیٹا علی رضی اللہ عنہ جیسا جنت میں اور ابوطالب جیسا شفیق مگر شرم اور ڈر میں رہنے والا باپ دوزخ میں ہے۔ یہ کوئی معمولی حادثہ ہے؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روئے ہیں گھر میں بیٹھ کر۔ وہاں بھی روتے رہے۔ جب دیکھا کہ نہیں مانتے اُٹھ کر آ گئے۔ چند منٹ کے بعد علی پہنچے۔ کتاب میرے سامنے پڑی ہے۔ الاصابہ، یہ قریباً سوا بارہ ہزار صحابہ کی سیرت کا مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور یہی حوالہ سیرتِ حلبیّہ میں بھی موجود ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا اپنے باپ کے متعلق کہ یارسول اللہ! اِنَّ عَمَّکَ الشَّیْخَ الضَّآلَ قَدْ مَاتَ یارسول اللہ! آپ کا بوڑھا گمراہ چچا مر گیا ہے۔ میں اب کیا کروں؟ یہ میں نے نہیں کہا۔ میری کیا مجال ہے کہ میں ابوطالب کے متعلق از خود کوئی فقرہ کہوں؟ یہ کون کہہ رہے ہیں؟ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ۔ کس کے متعلق؟ اپنے ابا ابوطالب کے متعلق۔ علی نے کلمۂ حق کہا۔ علی برحق ہے۔ علی نے پتھر کا کلیجہ بنا کر اپنے باپ کی غلطی اور بدبختی کا اقرار کیا۔ کوشش بیٹے نے بھی کی، کوشش بھتیجے نے بھی کی۔ لیکن جب قسمت میں اسلام اور جنت نہیں تو پھر ہم کیا کہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے باپ کو گالی تو نہیں دی، باپ کی توہین تو نہیں کی، نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ اب میں مردہ کافر باپ سے کیا سلوک کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

’’فَقَالَ اِذْھَبْ فَوَارِہٖ‘‘ اب میں بھی کیا کر سکتا ہوں۔ جاؤ قبر کھودو اور دفن کر دو۔

ابن حجر نے آخر میں یہ لکھا ہے کہ محدث ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری و مسلم کی طرح اپنی مرتبہ مشہور

کتاب۔ صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، شرح البخاری، جلد: ۱، ص: ۱۴۸)

جنازہ اس دور میں ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ میں کس وجہ سے کہہ رہا ہوں کیونکہ رافضیوں نے ضد وعداوت میں سراپا جہل اور سراسر فریب ومنافقت جواب دیا کہ جناب مولانا آپ کیسی بات فرما رہے ہیں؟ جناب ابوطالب کے جنازہ کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ خدیجۃ الکبریٰ کا بھی جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں اس فریب خوردہ جاہل یا مکار اور فریبی کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدیجہ نے اس وقت کلمہ پڑھا جب ابوطالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، خدیجہ کے بھی سسر چچا ہیں۔ وہ سسر صاحب چھپتے پھرتے تھے اور بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہتے تھے کہ:

''بھتیجے! تم سچے ہو لیکن ذرہ آہستہ آہستہ چلو، تمام قریش مجھ پر زبردست دباؤ ڈال رہے ہیں۔'' لیکن یہ سچا کہنا مفید نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا تو یہودی بھی کہتے تھے۔ سچا تو کفارِ مکہ بھی کہتے تھے لیکن سچا کہہ کر دل سے مانتے اور زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ آدمی بالکل سچا ہے۔ ''تورات'' کی باتیں بھی صحیح بتا دیتا ہے۔ ہم کچھ چھپاتے ہیں تو اوپر سے خبر بھی آجاتی ہے۔ ہم کیا کریں؟ ہماری تمنا تھی کہ ''خاتم النبیین'' بنی اسرائیل میں ہو۔ یہ نکل آئے بنی اسماعیل میں۔ ہم کیسے کہیں کہ یہ آخری نبی ہیں۔ اندر سے سچا سمجھتے تھے، لیکن ضد اور حسد وعداوت میں کلمہ نہیں پڑھا۔ ابوطالب نے نبی کو جانا، پہچانا کچھ مدت پاس رکھا۔ خدمت کی۔ لیکن پہلی پرورش اور خدمت کس نے کی؟ امّاں نے۔ پھر دوسری خدمت کس نے کی؟ دادا نے۔ پھر جب دادا فوت ہو گئے تو پھر زیادہ خدمت کس نے کی؟ آپ کے سب سے بڑے حقیقی تایا زبیر نے۔ جب اُن کا انتقال ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوانی کے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ وہ دور کس نے نبھایا؟ ابوطالب نے۔ یہ جھوٹ ہے کہ اوّل سے آخر تک صرف ابوطالب نے خدمت کی، پالا پرورش کی۔ مؤمنینِ کرام! توجہ کا مقام ہے۔ اپنے بابا کی لکھی ہوئی کوئی زمین دوز تاریخ لے آؤ نکال کر یہ خرافات اس میں ہوں گی۔ کائنات میں کفار سے پوچھو یا مسلمانوں سے ابوطالب کے مذکورہ مصدقہ واقعات اٹل حقیقت ہیں۔

(خطاب: بہ موقع یومِ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما، احاطۂ معاویہ ملتان، ۲۷رفروری ۱۹۸۷ء۔ مطبوعہ: الاحرار، شمارہ: ۱۲/۱۱، جلد: ۲۰)

''صوبہ خیبر میں نو قلعے تھے۔ آٹھ قلعے دیگر صحابہ نے فتح کیے ایک اہم قلعہ ''قموص'' خاص طور پر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا'':

خیبر میں نو قلعے تھے یاد رکھنا کیونکہ ہمیں تو ایک ہی بتایا گیا ہے کہ وہاں ایک ہی قلعہ تھا جو مولا علی نے توڑا۔ یہ جھوٹ ہے۔ مولا علی نے ایک قلعہ توڑا۔ کہو تو بتا دوں؟ اگر اجازت ہو تو بتا دوں؟ اور رافضیوں کے اس جھوٹ کا پول بھی تھوڑا سا کھول دوں۔ یہ بھی امیر معاویہ کی برکت سمجھو کہ اُن کی وجہ سے کئی اور مسائل سامنے آئے اور حل ہوئے۔ خیبر میں

ایک روایت کے مطابق گیارہ قلعہ تھے اور زیادہ معتبر روایت کے مطابق نو قلعے تھے۔ بعض نے دس لکھا ہے اور بعض نے گیارہ۔ لیکن نو کی تعداد میں کوئی شک نہیں۔ دسواں قلعہ، قلعہ کی شکل میں نہیں بلکہ بغیر جنگ کے ایک علاقہ فتح ہوا جس کا نام ’’فدک‘‘ ہے۔ جس کی جاگیر کا جھگڑا ڈال کر رافضیوں نے ابوبکر صدیق سلام اللہ علیہ کو بدنام کیا ہے۔ فاتحِ خیبر اسلامی لشکر میں چودہ سو صحابی تھے اور اس میں ہر دستہ کا کمانڈر الگ تھا۔ حضرت محمد ابن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک دستہ کے کمانڈر۔ اُن کے بھائی حضرت محمود رضی اللہ عنہ دوسرے دستہ کے کمانڈر، تیسرے پورے فوجی دستہ کے کمانڈر حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ تھے جو سیدنا صدیق اکبر سلام اللہ علیہ کے بڑے داماد، سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بڑے بہنوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوتیلی مؤمنہ پھوپھی سیدہ صفیہ کے بیٹے تھے۔ یہ وہ موقع ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کرنے سے پہلے صحابہ کے لشکر کو اکٹھا کیا اور یہ فرمایا کہ:

’’کون ہے کہ اگر میں اس کو بھیجوں اور موت سے اُس کی ملاقات ہو جائے تو وہ موت سے آنکھیں ملانے کے لیے تیار ہو؟‘‘

فَقَام الزُّبَيْرُ ابْنُ الْعَوَّام. تو سارے لشکر میں سب سے پہلے حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہوئے اور موت قبول کرنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس وقت لشکر کے پیچھے ’’ساقہ‘‘ ریئر گارڈ (Rear Guard) آخری دستہ میں جو سامان وغیرہ سنبھالتا ہے، اُس میں تھے۔ علی مرتضیٰ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، لشکر میں لیکن وہ لڑنے کے لیے اُس وقت میدان میں نہیں تھے بلکہ ’’ریئر گارڈ‘‘ میں پیچھے تھے جہاں بچے اور عورتیں تھیں اور سامان تھا اور اگلے دستوں میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر، محمد ابنِ مَسْلَمہ، سَلَمہ ابن اَکْوَع، عامر بن اَکْوَع۔ یہ ممتاز ترین اور بہادر صحابہ موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کون ہے جو کل موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لیے تیار ہو؟ **فَقَام الزُّبَيْرُ ابْنُ الْعَوَّام** تو دوبارہ زبیر نے ہی کھڑے ہو کر کہا: ’’یارسول اللہ! **اَنَا لَھا** موت سے باتیں کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔‘‘ کیا اور بہادر نہیں تھے؟ لیکن زبیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص انعام ملنے والا تھا۔ اس لیے اُن کی قسمت کا دروازہ کھلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بیٹھ جاؤ‘‘ دو دفعہ ہو گیا۔ تیسری دفعہ پھر فرمایا: ’’ہے کوئی جو موت سے آنکھیں ملانے کو کھڑا ہوتا ہے؟ تاریخ چپ ہے۔ حدیث چپ ہے۔ سیرت چپ ہے۔ نبی چپ ہے کہ زبیر کے سوا کوئی اور شخص کھڑا نہیں ہوا، پورے لشکر میں۔ تو زبیر ابن عوّام کھڑے ہوئے۔ اللہ کی طرف سے اُن کو ایک خاص لقب ملنا تھا جو اور کسی کو نہیں ملا۔ نبی علیہ السلام نے زبیر کے جذبۂ ایثار و فداکاری، جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت کی اللہ کی طرف سے بے مثال قبولیت و قدر افزائی کی اطلاع ملنے پر فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَ حَوَارِيِّ الزُّبَيْرُ ابْنُ الْعَوَّام.

ہر نبی کا کم از کم ایک حواری ضرور ہوا ہے۔ (اور اسی الہامی عمل کے مطابق) میرا حواری زبیر ابن عوام ہے۔

اُس دن یہ لقب ملنا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر نہ ابوبکر، نہ عمر، نہ عثمان کھڑے ہوئے نہ کوئی اور کھڑا ہوا۔ علی تو تھے پیچھے۔ سب قلعے فتح ہوئے۔ بس وہ بات میں سنا دوں، آپ لوگوں کو سناتا کوئی نہیں۔ ایک بات رافضی مسلمانوں کو طنزاً سنا کر کہا کرتے ہیں، علی مردِ دَر، شیر ببر، علی حیدر، فاتحِ خیبر ہیں۔

بے شک ”خیبر“ کا ایک قلعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ لیکن دس میں سے نو قلعے باقی صحابہ نے فتح کیے۔ قلعوں کے نام سنا دیتا ہوں۔

پہلا قلعہ ”قلعۂ ناعم“:

پہلا ”قلعۂ ناعم“ ہے جو حضرت محمد ابن مَسْلمہ، نوجوان انصاری صحابی کے بھائی محمود ابن مسلمہ نے فتح کیا۔ عیون الاثر، ابن ہشام، فتح الباری، ہر کتاب کا حوالہ جلد میرے پاس ہے جس کا جی چاہے آ کر لکھ لے۔ دنیا کی کوئی صحیح تاریخ اس کا انکار نہیں کر سکتی۔

دوسرا قلعہ ”قلعۂ قموص“:

”قلعۂ قموص“ خیبر کے نو قلعے تھے آٹھ قلعے دیگر صحابہ نے فتح کیے اور جو بہت زبردست قلعہ تھا۔ یہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ ”ناعم“ فتح کیا محمود ابنِ مسلمہ رضی اللہ عنہ نے۔ اور ”قموص“ جو کئی دنوں سے فتح نہیں ہوتا تھا اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں انہیں کسک ہے“ پنجابی میں کہتے ہیں ”رڑک“ یعنی سرخی اور سخت چبھن ہے وہ بیمار ہیں۔ آپ نے فرمایا ”بلاؤ“ علی آئے تو آپ نے ان کی آنکھیں کھولیں ”فَتَفَلَ فِيهِمَا“ اور ان میں اپنا لعاب مبارک تھوک دیا“ تو فوراً ساری سرخی اور درد غائب ہو گیا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ اپنے ہاتھوں سے باندھا۔ جھنڈا اپنے ہاتھوں سے دیا اور فرمایا جاؤ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰه اللہ کا نام لے کر کے جاؤ کئی دنوں سے قلعہ اٹکا ہوا ہے اللہ تمھیں فتح دے گا۔ یہ قلعہ ”قموص“ یہودیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ حضرت علی گئے اور بے شک و شبہ سب سے بڑا اور سخت قلعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔

تیسرا قلعہ ”صعب ابنِ معاذ“:

تیسرا قلعہ ہے ”قلعۂ صعب ابنِ معاذ“ یہ قموص کے بعد فتح ہوا۔

چوتھا قلعہ، ”قلعۂ قُلّہ“:

چوتھا قلعہ جس کا نام ہے ”قلعۂ قُلّہ“ تین قلعے تو فتح ہو گئے تو یہودیوں نے اس میں آ کر پناہ لی۔ نبی کے پاس آ کر ایک یہودی نے خود اپنی قوم کی ”جاسوسی“ کی کہ: ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قلعہ والوں کے پاس کافی خوراک اور پانی کا ذخیرہ موجود ہے۔ ایک پہاڑی چشمہ باہر سے آتا ہے اس کا پانی ہمارے یہودیوں کو قلعہ میں مل رہا ہے۔ آپ وہ چشمہ بند کر دیں تو یہ لوگ عاجز اور مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے اور قلعہ فتح ہو جائے گا ورنہ مشکل ہے۔“ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چشمہ کا پانی بند کر دیا۔ اس کے بعد چند صحابہ شہید بھی ہوئے۔ دس یہودی مارے گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔

علاّمہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”وہاں دو علاقے تھے۔ ایک نُطاۃ تھا۔ اس حصہ میں چوتھا قلعہ ”قلعۂ قُلّہ“ پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور پہاڑ کی چوٹی کو قُلّہ کہتے ہیں۔ اس لیے یہ قلعہ اس چوٹی کی طرف منسوب اور قُلّہ یعنی چوٹی والا قلعہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

پانچواں قلعہ، ”قلعۂ وطیع“:

پانچواں قلعہ ہے ”قلعۂ وطیع“ جب چوتھا قلعہ فتح ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و ہدایت اور تجویز کے مطابق اس قلعۂ وطیع پر ہلّہ بول دیا، تو یہ پانچواں قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

چھٹا قلعہ، ”قلعۂ سلالم“:

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ”سلالم“ اُس کے متصل بعد فتح ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ چھٹا قلعہ ”سلالم“ اور ”کتیبہ“ یہ دونوں ملا کر اکٹھے ایک وقت میں فتح ہوئے۔

ساتواں قلعہ، ”قلعۂ کَتِیبہ“:

اس ”قلعۂ کَتِیبہ“ ساتویں قلعہ کا چودہ دن محاصرہ رہا اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت کی اور پورے علاقۂ خیبر پر مکمل فتح عطا فرمائی اور یہ بھی سارے کا سارا ختم ہو گیا۔

آٹھواں قلعہ، ”قلعۂ اُبَیّ، نواں قلعہ، قلعۂ بَری“:

یہ دونوں علاقے بیک وقت آگے پیچھے فتح ہوئے۔ انہی میں ایک قلعہ وہ ہے جو حضرت زبیر بن عوّام نے فتح کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعہ کا نام ہی ”قلعۂ زبیر“ رکھ دیا۔ وہ پورے کا پورا قلعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے پاس بہ طور جاگیر اور مالِ وراثت کے طور پر موجود رہا۔ یہ ہیں خیبر کے نو قلعے جن میں دوسرا قلعہ قموص سیدنا علی

رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ ناعم، قموص، صعب ابن معاذ، قُلّہ، وطیح، سَلالم، کَتیبہ، اُبَی، بَرِی۔

دسواں قلعہ ’’قلعۂ فدک‘‘:

اور دسواں اہم مورچہ فدَک ہے جو حقیقتاً کوئی مستقل قلعہ نہیں بلکہ قلعہ بند ملحقہ بستی تھی جس کو یہودیوں نے اپنا انجامِ بد دیکھ کر بغیر لڑائی کے ہی اپنی شکست قبول کر کے اپنی وہ بستی اور اس کی اراضی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی تھی اور اس جگہ کی زمین کی گندم اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیویوں اور بچوں کے لیے آتے تھے جو آپ نے منشاءِ الٰہی کے مطابق اپنے لیے خاص رکھے اور یہ فرمایا کہ نبیوں کی کوئی چیز مالِ صدقہ تو ہو سکتی ہے مالِ وراثت نہیں بن سکتی۔ رافضیوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ: ’’دیکھو جی ابوبکر نے ایک آدمی کی گواہی پر یہ کہہ دیا کہ بی بی فاطمہ اس کی وارث نہیں ہیں‘‘ یاد رکھو یہ بھی جھوٹ ہے۔

حدیث ’’لَا نَرِثُ‘‘ کے راویوں کے نام:

سنو! اس حدیث کے راویوں میں خود ابوبکر بھی ہیں، عمر بھی ہیں، سعد ابن وقاص بھی ہیں۔ عباس (رضی اللہ عنہم) بھی ہیں۔ صحابۂ کرام میں سے یہ جلیل القدر بزرگ اس حدیث کے راوی ہیں۔ رافضیّوں کی بکواس میں پہلا جھوٹ یہ کہ: ’’صرف ایک آدمی کی روایت پر بی بی فاطمہ کی وراثت لے لی۔ وراثت ہوتی تو خود علی کو ضرور معلوم ہوتا۔ وراثت ہوتی تو فاطمہ کے گھر والوں کو سب کو پتا ہوتا۔ اور یہ عام تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ہر چیز کا ہر وقت میں بیٹیوں کو بھی معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اس حدیث کے لیے صدیق اکبر نے جنگل اور دیہات سے ایک بزرگ صحابی علی الاغلب حضرت سعد ابن وقاص ہی کو بلوا لیا تھا کہ: ’’تم گواہی دو میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ غلط؟‘‘ انہوں نے آ کر گواہی دی:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَال: نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃ‘‘

ہم نبیوں کا گروہ نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی کو وارث چھوڑتے ہیں اور جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ اُمّت کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ بیت المال کا حصہ تو بن جاتا ہے لیکن ہمارے خاندان کی وراثت نہیں بن سکتا۔

یہ وہ دس قلعے ہیں جن کے متعلق جھوٹ بول دیا کہ سب علی نے فتح کیے۔ یاد رکھو! یہ نہ اکیلے ابوبکر نے فتح کیے، نہ اکیلے عمر نے، علی ابن طالب نے بلاشک و بلا تردد دوسرا قلعہ قموص فتح کیا۔ وہ بہت زبردست قلعہ تھا اسی وجہ سے شہرت ہوئی۔ اس شہرت کا کوئی منکر نہیں۔ بقیہ تمام قلعے ابوبکر نے، عمر نے، محمد ابن مسلمہ نے، محمود ابن مسلمہ نے، سلمہ ابن اکوع نے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم جیسے نامور بزرگوں نے فتح کیے۔

(خطاب: سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، مسجد عثمانی، مہاجرین، جام پور، مورخہ: ۲۴/ رجب ۱۴۱۰ھ، ۲۹/ مئی ۱۹۸۱ء۔ مطبوعہ: ’’الاحرار‘‘ شمارہ ۲۳، ۲۴ جلد ۱۹)

قصاص عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے اجتہادات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہم ''امامِ برحق'' اور چوتھا امامِ برحق مانتے ہیں، اس میں تو کسی کو شک ہی نہیں۔ لوگ ان کو آسمان پر پہلا بنائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ابھی وقت آیا ہی نہیں تھا لیکن ''خلافت'' پہلے ہی ذمہ لگا دی، تو نہ ماننے والا تو قیامت تک بھی صحیح عقیدہ نہیں مانے گا لیکن آپ لوگ تو الحمدللہ ماننے والوں میں ہیں۔ اپنے اپنے دلوں میں اطمینان رکھیں کہ ان شاءاللہ آپ حق پر ہیں۔ اَنُتُم علَی الُحَق۔ اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ یہی ہمارا دین ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی کی بھی توہین کا تصور دل میں نہ آئے۔ باقی ''اجتہادی'' لغزش تو وہ پھر جانبین سے ہونا تسلیم کرنا پڑے گا، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے نزدیک معاویہ رضی اللہ عنہ سے لغزش ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ سے بھی لغزش ہوئی۔ علی ابنِ ابی طالب ''معصوم'' ہوں گے رافضیوں کے نزدیک ورنہ اُمت کے قطعی متفقہ عقیدہ کے مطابق نبی علیہ السلام کے سوا کوئی معصوم نہ تھا۔ نہ ہے، نہ ہوگا۔

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی غلطیاں یوں بتاتے ہیں جیسے اُن کے ابّا جان کا کوئی ملازم ہو۔ ''او جی معاویہ نے یوں کہا اور یہ کہا۔'' چڑھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کی اور برائی معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہوتی ہے۔ معاویہ کا قصور یہی ہے کہ انہوں نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہ لینے اور بصورتِ مجبوری قصاص لینے کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے سے انکار پر اپنے اور صحابہ کی اکثریت کے اجتہاد کے مطابق۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے قتال کیا اور پھر مستقل خلیفہ بن کر تمام قاتلینِ عثمان سے قصاص لے کر سبائی فتنہ کو دبا دیا۔ جس میں قریباً پچاس پچپن ہزار یا کچھ کم و بیش صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کی بیعت کے وقت حضرات طلحہ و زبیر کے ساتھ قصاص عثمان لینے کا وعدہ کرنا، اور پھر کسی بھی وجہ سے تمام قاتلینِ عثمان کو اپنی انتظامیہ اور فوج میں اُن کو مکمل تحفظ دینا اور اپنے خیال وطرزِ فکر اور مسلسل عمل کے مطابق اُن کا محاسبہ نہ کرنا اور ان میں سے کسی ایک بھی متعین و مسلمہ قاتلِ عثمان سے امامِ مظلوم سیدنا عثمان شہید سلام اللہ ورضوانہ علیہ کے ''خونِ ناحق'' کا بدلہ نہ لینا اور نہ لے سکنا۔ اس فکر و عمل کے لیے دلائل دینا ''غلط اجتہاد'' تھا۔ ورنہ ہم لوگ از خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ہرگز ہرگز کوئی ''تنقید'' یا آپ کے کسی اجتہاد و عمل کو غلط کہنے کی جراءت نہیں کر سکتے۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اجتہاد و عمل'' کو غلط کہنے کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تمام صحابہ کی طرف سے علی رضی اللہ عنہ کے ''اجتہاد و عمل'' کو غلط کہنے کو نقل کر سکتے ہیں۔

حد یہ ہے کہ تین مہینے کی جنگ میں جب رات ہو جاتی تھی تو دونوں لشکروں کے سپاہی آپس میں بیٹھ کر روتے تھے کہ بولو کیا کریں؟ وہ کہتے: ”تم علی رضی اللہ عنہ کو کہو۔“ وہ کہتے: ”تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہو۔“ وہ جانتے تھے کہ ہم تو وہ ہیں جو دونوں مل کر کفار سے لڑا کرتے تھے۔ ابنِ سبا پر خدا کی لعنت۔ اس کی پارٹی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا ہوتا تو آج علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں جھگڑا نہ ہوتا۔ رات کو صفین کے میدان میں گلے ملتے اور روتے تھے۔ کوئی تاریخ اٹھا لاؤ۔ طبری اٹھا لاؤ، ابن کثیر میرے پاس پڑی ہے، بیٹھ جاؤ کسی دن کلاس بن کر ایک دن دکانوں اور کمائی کا ضائع کر لو تو پورے دس صفحات پڑھ کر سنا دوں۔ تقریر میں نہیں جانتا، میں تو تمہارا ”ٹیوٹر“ ہوں، دین کی خاطر تمہارا نوکر ہوں، ایک ایک لفظ بھی پڑھانا پڑے تو میں تیار ہوں۔ کبھی کوئی لشکر بھی ایسے ہوتے ہیں؟ کہ رات کو آپس میں ملیں اپنی حالت کا غم منائیں اور روئیں اور صبح کو لڑیں، لیکن لڑنے پر اس لیے مجبور ہیں کہ سردار ہمارا الگ تمہارا لگ۔ اتفاق رائے نہیں۔ اور روتے اس لیے ہیں کہ ہم کب تک لڑ لڑ کر مریں گے؟ آخر میں حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ جنگ انتہا تک پہنچ گئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ:

”لڑائی تو ہم لڑیں گے، چھیالیس ہزار فوج علی کی اور بیالیس ہزار تمہاری۔ یہ سوچ لو کہ انجام کیا ہوگا؟ ایک آدمی زندہ نہیں بچے گا، نہ علی (رضی اللہ عنہ) شکست مانے گا نہ تم۔ سارا شام کٹ جائے گا عثمان کے لیے۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص احباب کے سامنے لشکر کو کہا اور عمرو ابن عاص نے بھی کہا کہ اچھی طرح سوچو شام کی حفاظت کون کرے گا اگر تم سب مر گئے؟ اور اگر عراق والے علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھی سب مر گئے تو پھر عراق کی حفاظت کون کرے گا؟ فکر دونوں کو پڑی ہوئی تھی۔ یہ ”کفر و اسلام“ کی جنگ نہیں۔ جو کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے وہ مولوی نہیں ”مکّار“ دنیادار ہے۔ وہ ”رافضیوں“ کا ایجنٹ ہے۔“

(خطاب: بہ موقع یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ، احاطۂ معاویہ ملتان، ۳؍مارچ ۱۹۸۹ء۔ مطبوعہ: الاحرار، شمارہ: ۹/۱۰)

جنگِ جمل۔ جمادی الاخری ۳۶ھ:

حضرت زبیر ابن عوّام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ ابن عبید اللہ یہ دونوں بزرگ ”جنگِ جمل“ میں اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ جنگ کے لیے نہیں گئے تھے۔ یہ جا کر وہاں (بصرہ) یہ تحریک چلا رہے تھے کہ ”عثمان غنی رضی اللہ عنہ مظلوم قتل ہو گئے ہیں اُن کے قصاص کی تحریک منظّم کرنے کی کوشش کروں پھر علی رضی اللہ عنہ کے پاس چل کے مطالبہ کروں کہ: ”آپ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیں“

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اُن کے حامیوں اور سبائیوں نے رپورٹ پہنچائی کہ ”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے لشکر

تیار کرلیا ہے۔ آپ کے ساتھ لڑائی لڑیں گی۔“ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جنگ کے لیے جائیں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ؟ کون سا ”کفر واسلام“ کا مسئلہ تھا؟ مسئلہ بڑا اہم لیکن کفار سے جہاد تو نہیں تھا؟ یہ سب سے بڑا جھوٹ اور افتراء ہے۔

”علامہ ابن حجر عسقلانی، صاحبُ الاصابہ وفتح الباری فرماتے ہیں پوری اُمت میں ایک آدمی بھی علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی جماعت کا یا کسی اور بزرگ صحابی کا ساتھی اس بات کا عقیدہ نہیں رکھتا کہ ”مَا کَانَ حَرْبُ طَلْحَةَ وَ الزُّبَیْرِ وَ عَائِشَةَ لِلْخِلَافَةِ“ اماں عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی جنگ خلافت کے لیے نہیں تھی ”بَلْ کَانَ لِطَلَبِ قِصَاصِ عُثْمَانَ“ یہ تو اس لیے اُٹھے تھے کہ قصاص کی تحریک چلائیں کہ جماعت بنے گی، ہمارے ساتھ مجمع ہوگا، عوام کی اکثریت ہو گی تو علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کریں گے کہ ”آپ بدلہ لیں۔“ کتاب ”تاریخ الاُمم والمُلوک“ کے مصنف علامہ ابن جریر طبری جن کو سُنّی، سُنّی نہیں مانتے اور شیعہ تو سب ہی مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آدمی تو اپنا ہی تھا لیکن چلو خیر سُنّی بن کر اُن میں سرنگ لگا رکھی ہے ٹھیک ہے۔ جیسے اب بھی اگر ہمارا کوئی ”سُنّی واعظ“ غلط روایت بیان کرے تو شیعہ ذاکر کہتے ہیں ہمیں کیا؟ ہمارا کام تو یہ سُنّی ہو کر خود کر رہے ہیں۔ وہ تو اس وقت بولتے ہیں جب میں کوئی بولی بولوں، آواز تو فقیر کی ہے جو اُن کو چُبھ رہی ہے۔ تو یاد رکھیں جس عزیز نے مجھے متوجہ کیا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تھے جو درست نہیں تھا تو وہ یاد رکھیں کہ وہ تو مجبور ہو کر جنگ ہوئی۔ رات کے سناٹے میں سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل کر تیر مارے جو اماّں عائشہ کے لشکر پر گرے۔ وہاں دو چار آدمی شہید ہوگئے۔ انہوں نے سمجھا کہ دوبارہ جنگ شروع ہوگئی تو فوراً نکلے خیموں سے، ان میں سے دو چار دس نے جوابی تیر چلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں دو چار آدمی مر گئے۔ رات کے سناٹے میں دمادم فوراً ان کی فوج بھی کھڑی ہوگئی دنیا اس اچانک اور خلافِ اُمید واردات سے پاگل ہوئی اور جنگ شروع ہوگئی کوئی پتا ہی نہیں چلا سکا کہ یہ ”شیطانیت“ کس نے کی؟ جبکہ حقیقتاً یہ سب بدمعاشی سبائیوں کی تھی۔ یہ روایت جو اخبارات میں غیر معتبر رسائل اور کتب میں چھپتی ہے کہ:

”علی المرتضٰی نے زبیر کو پکڑ کر کے کہا کہ: ”زبیر تمیں وہ وقت یاد ہے جب میں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ نے تم سے پوچھا کہ تم علی کو جانتے ہو؟ تم نے کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں، پھر علی سے پوچھا کہ تم اس کو جانتے ہوں میں نے کہا ہاں بالکل میں جانتا ہوں۔ میری بہن کا بیٹا ہے۔ میری پھوپھی کا بیٹا ہے۔ انہوں نے کہا میرے ماموں کا بیٹا ہے۔ تو تم اس سے محبت کرتے ہو؟ کہا! جی ہاں میں محبت کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ: تمہیں یاد ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا: وہ کیسا عجیب وقت ہوگا کہ تم علی کے ساتھ جنگ کروگے اور علی حق پر ہوگا۔“ زبیر نے کہا: ہاں یاد تو آ رہا ہے! تو یہ سن کر زبیر نے وہیں ہتھیار لپیٹے اور واپس چلے گئے۔“

یہی روایت بیان کی جاتی ہے نا؟ تمام رسائل وکتب میں یہی لکھا جاتا ہے نا؟ یاد رہے نہ یہ بخاری کی روایت ہے، نہ مسلم کی، نہ یہ ترمذی میں ہے، نہ ابوداؤد میں ہے، نہ ابن ماجہ میں ہے، نہ کنزالعمال میں ہے، نہ مسندابی یعلیٰ میں ہے، نہ مجمع الزوائد میں ہے، نہ دارمی، نہ بیہقی میں، نہ دارقطنی میں کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ روایت علی الاغلب صرف طبری نے نقل کی ہے۔ اور طبری صاحب کتنے اونچے ہو جائیں ہم ان کو ان محدثین کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ جتنی رافضیوں کی روایات کا ذخیرہ ہے سب طبری نے جمع کیا ہے۔ نیکی کی ہے اپنی طرف سے تو بھی ہمارا حرج اور نقصان کیا ہے، اور برائی کی ہے تو بھی اس میں یہودیوں اور رافضیوں کو فائدہ ہوا ہے۔ ہمارا تو کوئی فائدہ نہیں۔ (یہ سن کر مجمع میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا یہ طبری عرب ہی کا باشندہ ہے؟) طبرستان ایران اور عراق کا قریباً مشترکہ علاقہ ہی سمجھئے۔ باشندہ چاہے کہیں کا ہو؟ ہمیں تو اس کے قول وعمل کو دیکھنا ہے۔ دیکھیے پیدا میں ہندوستان میں ہوا ہوں اور بات مکہ مدینہ کی کر رہا ہوں۔ اب ایک آدمی پیدا مکہ میں ہو اور بات کرے شیطان کی تو اس کی کیفیت سے ہمارے اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ ایران میں پیدا ہوئے محدثین بھی۔ انہوں نے اللہ کے رسول کے صحابہ کی باتیں کیں۔ یہ آدمی عالم تھا۔ عالم ہونے میں شک نہیں۔ ایک آدمی بہت بڑا عالم ہوسکتا ہے، شیعہ ہوسکتا ہے، ایک خارجی ہو وہ عالم ہوسکتا ہے۔ ایک خارجی ادیب وخطیب کا قصہ علما میں معروف ہے، آپ سن کر خود اندازہ کر لیں کہ وہ کتنا بڑا ادیب وقادرالکلام خطیب تھا۔ اس کی زبان توتلی تھی حرف ''را'' نہیں بول سکتا تھا۔ ''رے'' کو ''لے'' کہتا تھا۔ اُس نے تقریر کی دو گھنٹے۔ کم وبیش، ذہانت اور عربی زبان پر اتنی قدرت تھی۔ لکھا ہوا ہے کلاسیکل ادب کی کتب میں دو تین گھنٹے تقریر کی اور اوّل خطاب سے آخر تک چُن چُن کر الفاظ وہ بولے جس میں (ر) نہیں آتی۔ آج کوئی ایسا کر دکھائے۔ وہ خارجی تھا۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا۔ معاذ اللہ اور خارجیّت کا وبال اس پر پھر بھی باقی رہا اور اس کی ذہانت، قدرتِ زبان اور فصاحت وبلاغت اپنی جگہ ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ غالب کو آپ جانتے ہیں؟ مرزا اسداللہ خاں غالب۔ یہ کون تھے حضرت! آپ میں سے کوئی جانتا ہے؟ یہ ''ترکمان'' تھے، اور مذہباً رافضی تھے۔ ترک اور ہیں ترکمان اور قوم ہیں۔ ترک، ترکمان، ازبک، مغل، یہ اقوام ہیں۔ تو قوم کوئی بھی ہو ہمیں علم سے بحث ہے کہ کسی شخص نے ہمیں تحفہ کیا دیا؟ تو ان حضرت نے بھی نثر ونظم کے جو تحائف دیے وہ ''رافضیت کی حمایت'' میں اور ''صحابہ کے خلاف'' ہیں۔ ایک ہی جواب ہے۔ کوئی طالب علم، کوئی دانش ور، کوئی ادیب کہیں سے مجھے حوالہ تلاش کر دے۔ میرے محدود علم کے مطابق کسی مستند کتاب سے کوئی صحیح حدیث وروایت ایسی آپ نہیں لاسکیں گے کہ جس میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ گفتگو منقول ہو۔ اس میں بتایا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ''ناحق'' ثابت کر دیا کہ تم جھوٹے ہو اور زبیر نے یہ بات مان لی۔ حالانکہ بخاری کی

روایت اس کے مقابلے میں اس کی تردید کرتی ہے کہ ''زبیر نے آخر دم تک جنگ کی ہے۔ اپنا محاذ نہیں چھوڑا۔''

اب میں پہلی روایت بھی پڑھ دوں اور دوسری بھی پڑھ دوں۔ طبری کی روایت سن لیجئے۔ وہ کہتے ہیں:

''كَانَ الْقِتَالُ يَوْمَئِذٍ فِی صَدْرِ النَّهَارِ مَعَ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ......

کتاب مشہور ہے ''تاریخ طبری'' جس کا اصل نام ہے ''تاریخ الأمم والملوک''۔ ۳۶ھ کے حالات ''بیانِ جنگِ جمل'' طبری صاحب لکھتے ہیں کہ اس دن لڑائی دن کے شروع میں جو ہو رہی تھی اس میں طلحہ اور زبیر کے ساتھ جنگ ہوئی۔ کس کی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی۔ لوگ بھاگ گئے۔ اور یہ روایت کیا کہتی ہے؟ کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زبیر کو بلایا کہ: ''تم یاد کرلو وہ حدیث تم ناحق پر ہو، تم محاذ چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔'' یہی خلاصہ ہے نا اس روایت میں تو، وَ عَائِشَةُ تَوَقَّعُ الصُّلْحَ اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے حقیقتاً کوئی شکست نہیں مانی۔ ایک وہ عورت، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ اہلِ علم اور محبوب بیوی، اُمّ المؤمنین پھر علی کی روحانی ماں، فاطمہ کی سوتیلی ماں، پوری اُمّت کی ماں، عورت ذات۔ وہ فوج کی کمانڈر بن کر نہیں آئی تھیں۔ اُمّ المؤمنین کی حیثیت سے مسلمانوں کو لے کر علی کے پاس خونِ عثمان کا بدلہ لینے کی سفارش بہ طور تحریک لے کر آئی تھیں۔ انہوں نے اگر مقابلہ کیا پھر علی المرتضیٰ کے لشکر میں چھپے ہوئے سبائیوں کا عورت ہو کر تو مردوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ جس عورت نے کبھی گھر سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ یہ چھے سال کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ نو سال کی ہوئیں تو دلہن بن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آئیں۔ اٹھارہ سال کی ہوئیں تو نبی اُن کو بیوہ چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ وہ میدان میں کھڑی ہیں اور چالیس ہزار کا لشکر ان کو حقیقتاً شکست نہیں دے سکا۔

طبری کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

كَانَ الْقِتَالُ يَوْمَئِذٍ فِی صَدْرِ النَّهَارِ مَعَ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ فَانْهَزَمَ النَّاسُ وَ عَائِشَةُ تَوَقَّعُ الصُّلْحَ (تاریخ طبری، بیانِ جنگ جمل، احوال ۳۶ھ، جلد: ۳)

جنگ جمل کے موقع پر (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سردارانِ لشکر) حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دن کے اوّل حصہ میں۔ جنگ ہوتی رہی بالآخر پسپا ہو گئے۔ حالانکہ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صلح کی اُمید لگائے ہوئے تھیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے پہلے حصہ میں جب تک جنگ جاری رہی اس وقت۔ یعنی اختتامِ جنگ تک حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جنگ میں مصروف رہے نہ پیچھے ہٹے اور نہ واپس ہوئے۔ تو پھر مشہور قصہ کے مطابق

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ محاذ کو چھوڑ کر لشکرِ اُمّ المؤمنین کی پچھلی صف میں کب اور کیسے جا پہنچے؟ اور حضرت زبیر، حضرت علی رضی اللہ عنہما کی کوئی گفتگو یا پیغام سن کر خدانخواستہ اُمّ المؤمنین اور اپنے کو غیرِ حق پر سمجھتے ہوئے اُمّ المؤمنین کا ساتھ چھوڑ کر کب اور کیسے غیر جانب دار اور اپنے لشکر سے جدا ہو گئے۔ جب کہ ان دونوں اکابر کی دینی شخصیت وحیثیت اور تحریکِ مطالبۂ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ میں مرکزی مقام کی وجہ سے ہی فوجِ علی کی یلغار کا پورا رُخ اور پورا زور انہی حضرات کو قیادت اور محاذ پر رہنمائی اور اظہارِ شجاعت وفدائیت سے روکنے اور ہٹانے پر صرف ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس جنگ میں حضرت زبیر کے تا دمِ آخر موجود وثابت قدم رہنے اور غیر جانب دار ہو کر لشکرِ اُمّ المؤمنین سے جدا اور واپس نہ ہونے کی تائید میں حسبِ ذیل دو مستقل روایات ملحوظ رکھیں۔ پہلی اسی طبری کا حصہ ہے:

عن مُحَمَّدٍ وَّ طَلْحَة قَالَا وَ لَمَّا اِنْهَزَمَ النَّاسُ فِی صَدْرِ النَّهَارِ نَادَیٰ الزُّبَیْرُ اَنَا الزُّبَیْرُ! اِلَیَّ اَیُّهَا النَّاسُ. (طبری، جلد:۳)

محمد اور طلحہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب لوگ دن کے اوّل حصہ میں پسپا ہوئے تو (اُن کو حوصلہ دلانے اور مستقیم رکھنے کے لیے) حضرت زبیر نے آواز دی کہ ’’میں زبیر (محاذ پر قیادت وفدا کاری کے لیے) زندہ موجود ہوں، لوگو (پیچھے نہ ہٹو بلکہ تا آخر لڑنے کے لیے) میرے پاس آؤ۔

دوسری روایت اِسی جنگِ جمل کے متعلق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ بن زبیر جو اس عظیم معرکہ میں اپنی مخدومۂ کونین خالہ سیدہ اہلِ بیت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عزت وحرمت کی حفاظت اور تحریکِ طلبِ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر مسلط کی گئی جنگ میں وفا شعاری اور فدا کاری کے لیے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کے رفیق وہم رکاب تھے۔ ان کی زبانی اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کے حوالہ سے منقول ہے! حضرت ابن زبیر فرماتے ہیں:

لَمَّا وَ قَفَ الزُّبَیْرُ یَوْمَ الْجَمَلِ دَعَانِیْ فَقُمْتُ اِلٰی جَنْبِهٖ فَقَالَ یَا بُنَیَّ لَا یُقْتَلُ الْیَوْمَ اِلَّا ظَالِمٌ اَوْ مَظْلُوْمٌ وَ اِنِّی لَا اَرَانِیْ اِلَّا سَاُقْتَلُ الْیَوْمَ مَظْلُوْمًا.

جب (میرے والدِ ماجد شہیدِ مظلوم) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ معرکۂ جمل کے دن محاذ پر کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور جب میں اُن کے پاس آ کھڑا ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ’’اے میرے بیٹے آج کے دن قتل ہونے والے یا ظالم ہیں یا مظلوم ہوں گے، اور مجھے یقین ہے کہ میں آج جلد ہی ’’مظلوم‘‘ قتل ہوں گا۔

(خطاب: بہ موقع یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ، احاطۂ معاویہ ملتان، ۳/ مارچ ۱۹۸۹ء۔ مطبوعہ: الاحرار، شمارہ ۱۳، ۱۴/ ۱۴، جلد: ۲۰)